

مولانا فراہی کا عربی کلام (قرآنی آیات کی صدائے باز گشت)

سبداً فیاض نے مولانا فراہی کو فطری سلکہ شاعری سے نوازا تھا۔ اور اس نواز نے میں انتہائی فیاضی سے کام لیا تھا۔ قدرت نے انہیں غیر معمولی قسم کی شاعرانہ صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو ان کی زندگی میں بعض محیر العقول قسم کے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جوہر قسام ازل نے ان کی فطرت میں بدرجہ اتم ودیعت کیا تھا۔ لیکن چونکہ ان کی زندگی میں اس سے کہیں سہتم بالشان باتیں بیک وقت جمع ہوگئی تھیں اور شاعری وائری کو خود انہوں نے کوئی اہمیت نہیں دی اس لئے یہ پہلو بالعموم نگاہوں سے اوجھل ہی رہا۔ مولانا اگر اس سلکہ سے کام لیتے اور واقعی شاعری کرتے تو کم سے کم تین زبانوں (عربی، فارسی اور اردو) میں ان کا کلام ان زبانوں کے صف اول کے شاعروں سے معیار و مقدار میں کمتر نہ ہوتا۔ ان تینوں ہی زبانوں میں کم و بیش ان کا کلام موجود ہے۔ مولانا کے فطری سلکہ شاعری کا اندازہ لگانے کے لئے ان کے دور طالب علمی کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ ۱۶ برس کی عمر میں انہوں نے خاقانی کے قصیدے پر جو فارسی قصیدہ لکھا وقت کے اساتذہ بھی اسے دیکھ کر دھوکا کھا گئے۔ فارسی کی تحصیل مولانا فراہی نے اپنے ماسوں زاد بھائی شبلی نعمانی سے کی، فارسی زبان و ادب میں جن کا مرتبہ مسلم ہے۔ شبلی کے استاد مولانا فاروق چریا کوٹی تھے۔ جو فارسی شعر و ادب کے مسلم الثبوت اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ شبلی نے فراہی

کا لکھا ہوا قصیدہ اپنے استاد کے سامنے رکھ کر کہا کہ حضرت دیکھئے یہ قصیدہ کس کا ہو سکتا ہے۔ مولانا فاروق چریا کوٹلی نے دیکھ کر کہا اس وقت یہ تو نہیں بتا سکتا کہ کس کا ہے بہر حال قدامت میں سے کسی کا ہے۔ جب شبلی نے انہیں بتایا کہ یہ حمید الدین کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ (۱) مولانا کا فارسی دیوان پہلے دیوان حمید اور بعد میں نوائے پہلوی کے نام سے چھپ چکا ہے۔ جو لوگ فارسی شاعری کا مذاق سلیم رکھتے ہیں اور شعرائے فارسی کے کلام سے آشنا ہیں وہ اعتراف کریں گے کہ مولانا فراہی کا فارسی کلام کس درجے کا ہے اور ان کی شاعری کا پایہ کتنا بلند ہے۔ مولانا کی فارسی شاعری ایک الگ موضوع ہے اس پر کسی دوسری صحبت میں گفتگو مناسب ہوگی۔ بالفعل مولانا کی عربی شاعری کا مختصر جائزہ پیش کرنا مقصود ہے۔ شاعر تو بہت گزرے ہیں، مولانا کی شاعری بعض ایسی خصوصیات کی حامل ہے کہ ان سے شاعری کی ایک نئی روایت قائم ہوتی ہے اس لئے ان کا ذکر دلچسپی اور فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

مولانا کا عربی کلام تقریباً ناپید تھا۔ ان کے بعض عربی قصیدے رسالوں یا دوسری کتابوں میں کہیں کہیں مل جاتے تھے۔ ماہنامہ الضیاء لکھنؤ، ماہنامہ الاصلاح سرائے میر اور ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں ان کی بعض چیزیں چھپی تھیں۔

۱۔ سید سلیمان ندوی، معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۳۱ء، ص ۹۔ ماہنامہ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۳۲ء، ص ۳۹۔ یاد رفتگان، مکتبہ اشراق، کراچی۔ ۱۹۵۵ء۔ ص ۱۲۸۔ ۱۳۰۔ امین احسن اصلاحی، مجموعہ "تفاسیر فراہی اردو"، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان، اچھرہ، لاہور، ص ۲۱۔

اسی طرح حیات شبلی میں سید سلیمان ندوی نے مولانا کا وہ قصیدہ درج کر دیا تھا جو انہوں نے شبلی کی شان میں سفر ترکی سے واپسی پر حکومت برطانیہ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملنے پر بطور تہنیت لکھا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ ہوا دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ سے ان کا مختصر عربی دیوان شائع ہو چکا ہے جس میں مولانا بدر الدین اصلاحی نے دستیاب عربی کلام جمع کر دیا ہے۔ (۱) یہ کام مولانا کی وفات (۱۹۳۰ء) کے تقریباً چالیس سال بعد انجام پایا۔ فاضل مرتب نے ”کلمۃ الجامع“ میں ان حالات کا مختصراً ذکر کیا ہے جن میں کہ یہ کلام جمع کیا گیا۔ مولانا فراہی کے مخطوطات میں جس قدر کلام سلا وہی اس مجموعے کی زینت ہے۔ یہ مجموعہ اتنا مختصر ہے کہ اسکو دیوان کہنے میں بھی تامل ہوتا ہے۔ بہر حال جو کچھ میسر آگیا غنیمت ہے اور اسے مولانا کا تبرک سمجھ کر ان کے قدر دانوں کو پڑھنا چاہئے۔ کاش یہ کوشش اب سے بہت پہلے کی جاتی اس طرح اغلب ہے کہ اس مجموعے کا حجم یقیناً اس سے زیادہ ہوتا۔ فاضل مرتب کا خیال ہے اور یہ خیال بے اصل نہیں کہ مولانا فراہی کا بہت سا عربی کلام اس مجموعے میں آنے سے رہ گیا اور بعید نہیں کہ کچھ چیزیں مولانا فراہی کے احباب اور شاگردوں کے پاس موجود ہوں اور بعد میں انہیں شامل اشاعت کیا جاسکے۔ اس مجموعے کی نا تماسی کا حال اسی سے ظاہر ہے کہ اس میں وہ مرثیہ بھی موجود نہیں جو مولانا فراہی نے اپنے استاذ مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی وفات پر لکھا تھا اور جس کی نشاندہی مولانا اصلاحی نے کی ہے۔ مولانا اصلاحی استاذ شاگرد کے تعلق کے ذکر میں لکھتے ہیں ”اور ان کی وفات پر مولانا نے عربی

۱۔ سلسلہ دائرہ حمیدیہ نمبر ۲۲، مطبعہ حمیدیہ، سرائے میر اعظم گڑھ،

ہیں جو مرثیہ لکھا ہے اس کا ایک ایک شعر درد و غم میں ڈوبا ہوا ہے۔ (۱)
 سولانا اصلاحی کے اس فقرے سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ مرثیہ لایاب یا کمیاب
 نہیں تھا۔ پھر بھی اس مجموعے میں آنے سے رہ گیا اور ابھی تک ہمیں کسی
 ذریعے سے دستیاب نہیں ہو سکا۔ سولانا اصلاحی کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ
 یہ مرثیہ سولانا فراہی کی عربی کی شعری تخلیقات میں شاہکار ہوگا۔ بہت سا کلام
 تلف بھی ہو گیا ہوگا۔ جیسا کہ ہر شاعر کے ساتھ ہوتا ہے۔ سولانا کے ساتھ خاص
 بات یہ ہوئی کہ ایک تو وہ خود شاعری کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے تھے۔
 دوسرے یہ کہ زبان عربی تھی جس کے سمجھنے اور قدر کرنے والے سرزمین ہند
 میں خال خال ہی ہو سکتے تھے۔ یہ کلام نہ تو مشاعروں اور قومی جلسوں میں
 پڑھا جاتا تھا نہ ملک کے رسالوں میں چھپتا تھا۔ سولانا کی تصانیف بیشتر عربی
 میں۔ کچھ فارسی میں اور کمتر اردو میں ہیں۔ برصغیر میں عربی کے پڑھنے اور
 سمجھنے والوں کا جو حال ہے معلوم ہے۔ ان حالات میں سولانا فراہی کے عربی
 کلام کی حفاظت کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔

تاریخی اعتبار سے سولانا کی عربی شاعری کے آغاز کا سراغ ۱۸۹۳ء سے
 لگایا جا سکتا ہے۔ جبکہ وہ ایم اے او کالج علی گڑھ میں بی اے کے طالب علم
 تھے۔ ان کے عربی کلام میں سے تاریخی تعین کے ساتھ اگر کوئی چیز ہم تک
 پہنچی ہے تو شبلی کی شان میں کہا گیا وہ قصیدہ تنہیت ہے جو علی گڑھ کالج
 کے ایک جلسے میں پڑھا گیا۔ وہ بھی اس لئے کہ علی گڑھ کالج کی تاریخ یا شبلی
 کی سوانح حیات میں اس کا ذکر آگیا ہے۔ یا پھر بعض وہ قصائد ہیں جو کسی
 تاریخی واقعے یا قومی حادثے سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے خود بخود ان کے زمانے

کا تعین ہو جاتا ہے۔ مثلاً پہلی جنگ عظیم ، طرابلس ، بلقان اور ترکی وغیرہ سے متعلق قصائد اور نظمیں۔

مولانا فراہی ، ایم اے او کالج علی گڑھ میں کب داخل ہوئے۔ داخلہ کس جماعت میں ہوا اور کالج سے فراغت کس سن میں حاصل کی ، تاریخ کے تعین کے ساتھ یہ سباحث ہنوز تحقیق طلب ہیں۔ اس ضمن میں مولانا اصلاحی نے صرف اس قدر خبر دی ہے:-

”عربی زبان اور دینی علوم کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد کم و بیش بیس سال کی عمر میں مولانا انگریزی زبان کی تحصیل کے لئے علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے۔“ (۱)

لیکن محولہ بالا قصیدہ نہنیت بالتحقیق ۱۸۹۳ء کی تصنیف ہے۔ (۲) مولانا کی پیدائش ۱۸۶۲ء کی ہے۔ گویا یہ قصیدہ مولانا نے تقریباً ۳۲ سال کی عمر میں لکھا۔ عربی شاعری میں اس سے پہلے کی کوئی چیز ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئی۔ لیکن عقل اس کو باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی کہ مولانا نے عربی میں اس سے پہلے کچھ نہ کہا ہوگا۔ فارسی کی نسبت بالتحقیق معلوم ہے کہ مولانا نے ۱۶ سال کی عمر میں قدیم اہل زبان شعراء فارسی کے نتیج میں قصیدہ لکھ کر اساتذہ وقت کو حیرت میں ڈال دیا تھا ، جو محفوظ ہے اور دیکھا جا سکتا ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ عربی میں بھی اسی طرح انہوں نے اوائل عمر ہی میں اگر داد سخن نہیں دی ہو گی تو کم از کم طبع آزمائی ضرور کی ہوگی ،

۱۔ مجموعہ تفاسیر فراہی ، ص ۲۴۔

۲۔ حیات شبلی ، ص ۲۳۸۔

اگرچہ اس وقت کی چیزیں محفوظ نہ رہ سکیں۔ ۳۰۔ ۳۲ سال کی عمر پختگی اور سنجیدگی کی عمر ہوتی ہے۔ اس سے پہلے کی عمر شعرو شاعری جیسے مشاغل لہو و لعب کے لئے زیادہ سازگار ہوتی ہے بلکہ موسم بہار کا حکم رکھتی ہے۔ یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ اوائل عمر کا عربی کلام ضائع ہو گیا۔ یہیں سے ان کی عربی فارسی شاعری کا یہ فرق بھی سمجھ میں آتا ہے کہ عربی کا جو کلام ہم تک پہنچا ہے وہ بہت زیادہ سنجیدہ حکیمانہ بلکہ صوفیانہ ہے، اس میں شاعری کی عام روایات کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ جبکہ فارسی دیوان میں کم و بیش ہر طرح کے اشعار ہیں۔ ایک حد میں وہ کر بعض غزلیں بھی کہی ہیں جن میں روایتی انداز کے عاشقانہ مضامین اپنی تمام کیفیتوں کے ساتھ باندھے گئے ہیں۔

چونکہ تاریخی اعتبار سے، موجودہ دیوان میں میرے نزدیک سب سے پہلی چیز یہی قصیدہ ہے اس لئے مولانا فراہی کی عربی شاعری کی تحلیل و تجزیہ میں ہم اس کو نقطہ آغاز بنا کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ (۱) جیسا کہ گزر چکا ہے یہ قصیدہ ۱۸۹۳ء میں اس وقت لکھا گیا جب مولانا شبلی ایم اے او کالج سے بحیثیت استاذ منسلک تھے۔ اور مولانا فراہی اس کالج میں بی اے کے طالب علم تھے۔ اتحاد طلبہ کی انجمن اخوان الصفا اور لجنة الادب کے اہتمام میں ایک استقبالیہ ترتیب دیا گیا جس میں مولانا حالی اور نواب محسن الملک جیسے مشاہیر نے نظم

۱۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی وفات پر فراہی نے جو مرثیہ لکھا تھا وہ اگر مل جائے تو قصیدہ تہنیت سے پہلے کی چیز ہے۔ ۱۶ ستمبر ۱۸۹۰ء ان کی تاریخ وفات ہے۔ اس لئے ظاہر ہے اس کے قریب ہی کسی تاریخ میں لکھا گیا ہوگا۔

ونثر میں شبلی کو خراج تحسین پیش کیا۔ اسی طرح کالج کے طلبہ نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا فراہی کے ساتھ شبلی کے تعلقات گونا گوں تھے۔ انہوں نے بھی اس تقریب سے ایک عربی قصیدہ لکھا۔ یہ قصیدہ اس وقت تک تین مختلف ذریعوں سے ہم تک پہنچا ہے۔ ماہنامہ الاصلاح (۱) حیات شبلی (۲) اور عربی دیوان (۳)۔ الاصلاح میں اشعار کی تعداد ۱۸ حیات شبلی میں ۱۶ اور دیوان میں ۱۳ ہے۔ مطاع اور مقطع سب میں یکساں ہے درمیان کے اشعار میں قدرے فرق ہے۔

اس کا پہلا شعر یہ ہے:

یا خیر من یسمو الی العلیاء کالشمس بازغةً بوسط سماء

اس کے بعد بھی تمام اشعار اسی طرح بصورت خطاب ہیں جن میں شبلی کی نجابت، خاندانی، شرافت اخلاق اور علم و فضل کا ذکر ہے۔ آخر کے تین اشعار خاص موقع کی مناسبت سے یوں ہیں۔

واہنک سم بما اعطیستم من خیرما وجدوا من الاسماء
ان کان تلك الشمس شمس سماءها فلصرت شمس العلم والعلماء
اذ انت شمس والعلوم سماء کم فالشمس شمسی والسماء سمائی

شبلی کو حکومت کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا تھا۔ شاعر نے قصیدے میں اس کا لفظی فائدہ اٹھا کر مضمون آفرینی کی ہے۔ شروع سے خطاب میں واحد حاضر

۱۔ الاصلاح۔ جولائی ۱۹۳۸ء ص ۳۱۸۔ مقالہ اقبال احمد سہیل بعنوان سیرت شبلی۔

۲۔ حیات شبلی ص ۲۳۹۔

۳۔ دیوان۔ حمید الدین فراہی ص ۲۹۔

کی ضمیر اور حیثہ کا استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں آخر کے اشعار میں جمع کی ضمیر اور حیثہ لانے سے شعر گریہ کا عیب پیدا ہو گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک ہی مصرع میں واحد اور جمع کی ضمیریں آگئی ہیں۔ ع اذ انت شمس والعلوم سماء کم ”انت“ کے ساتھ ”کم“ کا اجتماع جہرۃ البلاغہ کے مصنف کے یہاں تو بالکل جائز نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن یہ جس دور کا کلام ہے اس نوع کی معمولی اسقام نظر انداز کی جا سکتی ہیں۔

”فی غفلة الانسان“ کے عنوان سے ایک قصیدہ ہے۔ جس میں دنیا کی بے ثباتی، زندگی کی بے اعتباری، انسان کی سرکشی اور موت کی حقانیت کا بیان ہے۔ اس کے پہلے دو شعر ہیں:

اما لانسناس احسلام اہم فی السكر نسوام
وہم وراذ حوض المسو۔ ت اصصرام فاصصرام

کیا لوگوں کی عقلیں ماری گئی ہیں۔ کیا وہ نشے میں مست، گراں خواب ہیں، جبکہ ان کی ٹکڑیوں پر ٹکڑیاں موت کے حوض پر آتی جا رہی ہیں۔
اسی قصیدے کا ایک شعر اور ہے:

فجسل الموت محسدود و جبل العیش ارام (۱)

رہی موت کی رسی تو وہ بہت دراز ہے جبکہ زندگی کی رسی بوسیدہ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہے۔

اس قسم کے اشعار شعراء جاہلیت کے کلام میں بکثرت ملتے ہیں۔ اسی قسم کے مضامین پر مشتمل دو شعر امرؤ القیس کے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مولانا فراہی کا عربی دیوان ص ۲

ارانا موضعین لاسر غیب ونسحر بالطعام وبالشراب
عصافیر وذبان وودود واجراً سن مجلحة الذئاب (۱)

ترجمہ: میں دیکھتا ہوں کہ ہم موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم سامان خورد و نوش سے مسحور ہیں۔ ہماری حیثیت چڑھیوں مکھیوں اور کیڑے مکوڑوں کی ہے مگر جرائم کرنے میں ہم حملہ آور بھیڑیوں سے بھی زیادہ جری و بے باک ہیں۔

ایک اور نظم جس کا عنوان ہے ”فی قلب الايام بالناس“ اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

وكم رخی العیش فی قصره یفغمه مسک و ازهار
اذ رفع النعش له بغتة فضمه ترب واحجار (۲)

زندگی کی کتنی ہی آسائشیں اس کے محل میں ہوتی ہیں۔ پھولوں کی خوشبو اس کے مشام جاں کو معطر کرتی ہے۔ کہ اچانک اس کا جنازہ اٹھایا جاتا ہے اور وہ مٹی اور پتھروں کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔

مولانا کا عام طرز کلام یہی ہے۔ دیوان کے مرتب مولانا بدرالدین اصلاحی نے بجا طور پر تحریر کیا ہے کہ وہ چونکہ اس زبان کے بہت بڑے ماہر تھے جس میں کہ قرآن نازل ہوا اس لئے شعرائے جاہلیت کے طریق پر شعر کہتے تھے اور ان کے فصحاء کے انداز پر نغمہ پیرائی کرتے تھے (۳)

۱ - دیوان امرؤ القیس - بعض روایتوں میں ”لاسرغیب“ کی جگہ ”لاسرحتف“ آتا ہے۔
مفہوم دونوں کا ایک ہے۔

۲ - دیوان - کلمة الجامع

۳ - دیوان - ص ۳

نمونہ کے چند اشعار اوپر نقل کر دئے گئے باقی اشعار دوسرے عنوانات کے ذیل میں درج کئے جائیں گے۔ آئندہ سطور میں ہم صرف ایسے نکات کے حوالہ سے مولانا فراہی کے کلام کا جائزہ لیں گے جن سے شاعر کی بعض ایسی خصوصیات پر روشنی پڑتی ہے جن میں وہ اگرچہ منفرد نہیں ہے پھر بھی ان کی حیثیت اس کے کلام کے نمایاں عناصر کی سی ہے اور ان سے اس کی شاعری کے خال و خط واضح ہو کر سامنے آتے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں ہم مولانا فراہی کی شاعری کے ایسے عناصر سے تعرض نہیں کریں گے جو عام ہیں اور شعر کہنے کے لئے ہر شاعر انہیں استعمال کرتا ہے۔ لیکن ان کی نسبت مختصراً یہ بات کہنا شاید بیجا نہ ہو کہ شاعری کے جو عام معیارات مقرر ہیں مولانا فراہی کا کلام ہر لحاظ سے ان پر پورا اترتا ہے۔

حکمت

ان من الشعر لحکمة و ان من البیان لسحراً، رسول کریم کا قول ہے ”ان من الشعر لحکمة“ کی مثال میں عام طور سے اس قسم کے اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

الا کل شیء ما خلا الله باطل و کل نعیم لا محالة زائل

اگہ! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔ اور ہر نعمت یقینی طور پر ختم ہونے والی ہے۔

نبی کریم کے اس ارشاد کو معیار بنا کر مولانا فراہی کی شاعری کا جائزہ لیں تو ان کے کلام کا بیشتر حصہ اس ضمن میں آتا ہے۔ ایک دو شعر ہوں تو مثال میں پیش کئے جائیں۔ یہاں تو پورا دیوان ہی اسی رنگ میں ہے۔

چند وہ عنوانات ملاحظہ ہوں جن کے ذیل میں اشعار لکھے گئے ہیں: فی الاستعاذہ - فی غفلة الانسان - فی تقلب الايام بالناس - فی نور الحكمة والايمان - فی ذکر اشراف الساعة - فی ذکرى الايام - فی الرجوع الى العقل، فی التحذير عن الدنيا - ان چند عنوانات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے تحت کس قسم کے اشعار لکھے گئے ہوں گے اور مولانا کی شاعری کا رنگ و آہنگ کیا ہوگا۔

قرآنی اثرات

مثنوی مولانا روم سے متعلق یہ شعر بہت مشہور ہے۔

مثنوی معنوی مولوی ہست قرآن در زبان پهلوی (۱)

انداز بیان کی شوخی اور شاعرانہ سبالغہ آرائی سے صرف نظر کر کے دیکھا جائے تو یہ بات چنداں غلط نہیں رہ جاتی۔ اس لئے کہ مولانا روم نے اپنی مثنوی کی بنیاد قرآنی تعلیمات پر رکھی ہے اور بیشتر اس کے اندر قرآنی آیات اور احادیث نظم کی ہیں۔ مولانا فراہی کے عربی دیوان میں بھی بکثرت ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں قرآن مجید کی صدائے بازگشت صاف سنائی دیتی ہے۔ یہ اشعار کلی یا جزوی طور پر قرآن مجید سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں۔ باقی قرآنی اثرات کے پرتو سے تو ان کے عربی دیوان کا شاید ہی کوئی شعر خالی ہو۔

ایک سوہوب اور مطبوع شاعر ہونے کے باوجود انہوں نے بمعنی عام شاعری نہیں کی اور اگر کی تو بہت کم کی۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فاضل مرتب لکھتے ہیں: و ذالک لانه قد انقطع بحول الله وتوفيقه، من بدء شبابه الى النظر فى القرآن والتدبر فيه، حتى وجد منه ما تهده به العواطف و تطمن به

۱۔ یہ شعر عام طور پر جاسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

القلوب و تسكن اليه الأرواح، فیہ سکنت فیہ عوامل الشعر و هدأت۔ (۱) قرآن میں انہماک کی وجہ سے سولانا کی طبیعت میں بیدار جذبہ شاعری خوابیدہ ہو گیا۔ اس کے بعد اگر کبھی کسی وقتی تعریک کے اثر سے شعر کہے بھی تو بہ مقتضائے امر فطری ”الاناء یترشح بما فیہ“، حسب موقع ان میں ہیئت اور سواد دونوں اعتبار سے قرآنی عناصر کا غلبہ رہا جس کے باعث ان کی شاعری ایک مخصوص رنگ کی حامل قرار پائے گی۔ عربی شاعری کے جائزے میں یہ بات عام طور سے کہی جاتی ہے کہ جاہلیت کی شاعری کے مقابلے میں بعد کی شاعری مرتبے میں فرو تر ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی بطور کایہ“ مسلمہ دھرائی جاتی ہے کہ شاعری جاہلیت میں ترقی کرتی ہے۔ یہ بات من وجہ تو صحیح ہو سکتی ہے مگر اسے من و عن صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ سولانا فراہی کے عربی کلام سے بھی اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ جاہلیت کی نہیں بلکہ اسلام کی باتیں بھی شعر کے قالب میں اس طرح پیش کی جاسکتی ہیں کہ شعریت مجروح نہ ہو۔ البتہ کہنے والے کا شاعر اور قادر الکلام ہونا شرط ہے۔ سولانا کے اشعار میں شاعری کے صحت مند عناصر کی ذرہ بھر کمی محسوس نہیں ہوتی۔ ہاں رندی و ہوسناکی کے دلدادہ اور فسق و فجور کے رسیا اپنے مذاق کی تسکین کا سامان شاید نہ پائیں۔

سال گذشتہ علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر ان کے فکر و فن سے متعلق بہت سی کتابیں شائع کی گئیں ان میں ایک کتاب اقبال اور قرآن

بھی نظر آتی ہے۔ ”فراہی اور قرآن“ کے عنوان سے مولانا فراہی کا مطالعہ ممکن ہے سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف سمجھا جائے مگر ان کی شاعری خاص کر عربی کلام میں ایسے عناصر کی تلاش ان کے رنگ طبیعت کو سمجھنے کے لئے نہ صرف مفید بلکہ ضروری ہے۔ سطور ذیل میں مولانا کے عربی دیوان سے جستہ جستہ ایسے اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن میں قرآن مجید کے الفاظ و معانی کی صدائے بازگشت صاف سنائی دیتی ہے۔ اور ان کے متوازی قرآن مجید کی وہ آیات بھی نقل کی جاتی ہیں جن کا پرتو ان اشعار میں نظر آتا ہے:-

قرآن سے معنوی ہم آہنگی

دیوان کی ایک نظم ”فی نور الحکمة والایمان“ کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

فمثل الایمان یلمع فی	قلب سلیم للتقوی راع
مثل سراج فی زجاج کمثل	الکوکب الذری لماع
فی وسط مشکوة ویوقد من	زیتونة فی خیر اقطاع
من البلاد لا بشرقیة	ولا بغربیة اصقاع
کاد یضئ زیتها قبل ان	تمسه النار لاشماع
نور علی نور ومن یہده	الله له یهتد باسراع (۱)

اس قصیدہ کا پہلا شعر ہے:

ما ابلغ القرآن من داع لوکان فیکم سابع واع

ترجمہ: چنانچہ قرآن نے ایمان جو کہ تقوی کی حفاظت کرنے والے قلب

سلیم میں دسکتا ہے، اس کی مثال دی ہے ایک ایسے چراغ سے جو کہ روشن

ستارے کی طرح چمکتے ہوئے شیشے کے اندر ہو، جو چراغ دان کے بیچ میں رکھا ہو۔ اور اسے جلایا جاتا ہو زیتون سے جو بہترین خطہ زمین میں پیدا ہوتا ہو۔ نہ انتہائے مشرق میں نہ انتہائے مغرب میں، قریب ہے کہ اس کا تیل، قبل اس کے کہ اس کو روشن کرنے کے لئے آگ لگائی جائے، خود ہی جل اٹھے۔ روشنی کے اوپر روشنی، اور اپنے نور کی طرف اللہ جس کی رہبری فرمائے وہ جلد ہدایت یاب ہو جاتا ہے۔

ان اشعار کو پڑھ کر سورہ نور کی آیت ۳۰ پڑھئے۔

اللہ نور السموات والارض - مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح - المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ۔ یکاد زیتہا یضئ ولو لم تمسہ نار۔ نور علی نور۔ ینہدی اللہ لنورہ من یشاء و یضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شیء علیم۔ (آیت ۳۰)

ترجمہ: اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو، اس میں ایک چراغ ہو، چراغ ایک شیشے کے اندر ہو، شیشہ گویا کہ وہ روشن ستارہ ہے۔ وہ جلایا جاتا ہو ایک برکت والے درخت زیتون سے جس کا تعلق نہ مشرق سے ہو نہ مغرب سے، اس کا تیل قریب ہے کہ روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھو جائے، نور کے اوپر نور، اللہ ہدایت دیتا ہے اپنے نور کی جس کسی کو چاہتا ہے۔ اور اللہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لئے۔ اور اللہ ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

اسی نظم کے کچھ اور اشعار:-

و مثل الکفار اعمالہم کیلیع و قرق بالقاع
یحسبہ الظمان ماء فیہ۔ تیہ باہراع و ایضاع

حتى اذا ما جاء لم يجد	شياً سوياً غير خداع
ووجد الله لديه فوف	اه جزاء الصاع بالصاع
ومثل الكفر عما عمایاته	غطت على قلب و اسماع
كظلمات البحر حاجت به	الارواح من هوجاء زعزاع
يقمص بالفلک على لجه	دفاع سوج بعد دفاع
فی لیلة سحماء قد غمها	جماع غيم فوق جماع
فالجو فی ظلماء حالكة	والقلب فی الغماء والهاع
قد مطت الظلمة اطرافها	والطرف لا يمتو مدى الباع
من اخرج الكف ليصبرها	لم يرها، باذا بمسطاع
فظلمات بعضها فوق بع	ض طبقت ليست بشعاع (۱)

کفار کے اعمال کی مثال صحرا میں چمکتی ہوئی سراب کی سی ہے۔ پیاسے کو اس پر پانی کا گمان ہوتا ہے۔ وہ دوڑتا ہوا تیز تیز اس کی طرف لپکتا ہے یہاں تک کہ جب پاس پہنچتا ہے تو اس کو دھوکا کے سوا کچھ نہیں ہاتھ آتا۔ البتہ پاس ہی اللہ تعالیٰ ملتا ہے جو اسے پورا پورا بدلہ دیتا ہے۔ اور کفر کی گمراہیوں کی مثال جو کہ دل اور کانوں کو ڈھانپ لیتی ہیں اس سمندر کی تاریکیوں جیسی ہے جس کو تند و شدید ہواؤں نے متلاطم کر دیا ہو، جو کشتی کو اپنی وسعت بیکراں میں اچھالتا ہے، اس حال میں کہ ایک موج کے تھپیڑے کے بعد دوسرا تھپیڑا، ایک ایسی کالی رات میں جسے تہ بہ تہ بادلوں نے ڈھک لیا ہو۔ فضا سخت سیاہی والی تاریک رات میں اور دل غم

(۱) دیوان ص ۷۷ -

اور خوف و ہراس میں۔ تاریکی اس کے چاروں طرف پھیل گئی اور نگہ دونوں ہاتھ کے پھیلاؤ کی حد سے آگے نہیں بڑھتی۔ جو ہاتھ نکالتا ہے کہ اسے دیکھے تو اسے نہیں دیکھ سکتا، دیکھنا قدرت میں نہیں۔ تاریکیاں ہی تاریکیاں، تہ بہ تہ تاریکیاں، بعض کے اوپر بعض، جمی ہوئی، ہلکی نہیں۔

سولانا فراہی کے ان اشعار کے مقابل قرآن مجید کی ان آیات کو دیکھئے۔

والذین کفروا اعمالہم کسراب یقیمۃ یحسبہ الظمان ماء حتی اذا جاءہم یجئہم شینا و وجد اللہ عنہ فوقہ حسابہ واللہ سریع الحساب۔ او کظلمات فی بحر لہجی یغشیہ موج من قوفہ موج من قوفہ سبحاب۔ ظلمات بعضہا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یكد یراہا و من لم یجعل اللہ لہ نوراً فالہ من نور (سورہ نور آیت ۳۹-۴۰)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال چٹیل میدان میں سراب کی ہے کہ پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے لیکن جب وہاں پہنچتا ہے تو وہ اسے کچھ نہیں پاتا البتہ وہ اللہ تعالیٰ کو وہاں پاتا ہے سو وہ اس کا حساب پورا پورا چکاتا ہے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ یا ان کے اعمال کی مثال وسیع و عریض سمندر میں تاریکیوں کی سی ہے جس پر موج چھائی ہوئی ہو، موج کے اوپر موج، اس کے اوپر بادل، تاریکیاں ہی تاریکیاں، بعض کے اوپر بعض، جب وہ اپنا ہاتھ نکالتا ہے تو اسے دیکھ نہیں سکتا۔ اور جس کے لئے اللہ روشنی لہ بنائے تو اس کے لئے کوئی روشنی نہیں۔

اس جائزہ کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ سولانا نے ضرورت شعری کی وجہ سے الفاظ، تراکیب اور فقروں میں جو تصرفات کئے ہیں اس سے لغت

اور زبان پر سولانا کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حذف و اضافہ کے علاوہ قرآن مجید میں جو لاهوتی الفاظ استعمال ہوئے ان کی جگہ مترادف الفاظ رکھ کر ردیف و قافیہ اور وزن شعر کے ناسوتی تقاضوں کو پورا کیا گیا ہے۔ مثلاً ”الذین کفروا“ کی جگہ ”کفار“۔ سراب کی جگہ یلمع۔ قبعہ کی جگہ اس کی واحد قاع۔ عنده کی جگہ لیدہ۔ ید کی جگہ کف۔ نصباح کی جگہ سراج۔ زجاجہ کی جگہ زجاج۔ وغیر ذالک۔ ان تصرفات کی نوعیت ایسی ہی ہے جیسے ترجمہ یا تفسیر کرتے وقت ایک انسان کا طرز عمل اللہ کے کلام کے ساتھ ہوتا ہے خاص کر جب اسی زبان میں مفہوم ادا کیا جائے تو مترادفات کا سہارا ہی کام آتا ہے۔

اس تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سولانا نے قرآن مجید کی آیات کو سامنے رکھ کر اشعار لکھنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ باقی غیر شعوری کوشش کے تحت سمائلت اور ہم آہنگی کی جو صورتیں ہیں وہ اتنی گونا گوں ہیں کہ ان کا احاطہ اطباء سمل کا باعث ہوگا۔ ایسے عربی داں جن کی نظر قرآن مجید پر محیط ہے ان کو فقط دیوان کا سرسری مطالعہ کرنے سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ کہاں کہاں کس کس جہت سے سولانا فراہی کے عربی کلام میں قرآنی آیات کے اثرات موجود ہیں۔

ذیل میں سولانا فراہی کے دیوان سے کچھ نبرد الفاظ اور مرکب فقرے بطور مثال دئے جاتے ہیں جو بینہ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔

غافر الذنب۔ قلب سلیم۔ یوم نحس۔ قضیٰ نعبدہ۔ مختال۔ فتنہ۔ بال۔ زین۔ طاغوت۔ احلام۔ اخوال۔ اخوان۔ اخدان۔ ارحام۔ ریب۔ دھر۔ جبل۔ موت۔ لہو۔ بنی۔ فحشاء۔ محشرون۔ نعماء۔ سسٹولون۔ سائل۔ علام۔ جبار۔

جند - اتراب - حبال - نبا - اخبار - قصد - ظل - انبار - غفار - ركب - ويل -
 وادی - غی - غاوی - مزن - برق - ودق - صاع - قلب - پھر - ظلمات - فلک -
 لچ - موج - لیلۃ - اعلام - ذئب - الوفید اهل - عشیرہ - کید - زلزلت - اصاب -
 مہین -

بعض ایسی مثالیں جن میں کئی نہیں جزوی مماثلت ہے :

قرآن مجید : شدید العذاب، شدید العقاب، شدید المحال، ہمزات الشیطن،
 قصد السبیل، اذن واعیہ -

مولانا: شدید الانکال - ہمزات النفس، سبیل القصد، سامع واع -

قرآن سے صوتی ہم آہنگی:

شاعری میں الفاظ کی بندش سے کلام میں موزونیت اور ردیف یا قافیہ کی پابندی سے صوتی نغمگی کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ مولانا کے اشعار اس اعتبار سے اپنے اندر وہ تمام شعری لوازمات اور محاسن رکھتے ہیں جو اہل ذوق یا نقادان فن کے نزدیک ایک اچھے شعر یا کسی اچھے شاعر کے کلام میں ہونے چاہئیں۔ لیکن میں اس وقت مولانا کی شاعری کی اس خصوصیت کو اس پہلو سے دکھانا چاہتا ہوں کہ اس میں قرآن مجید کی صدائے بازگشت کس حد تک سنائی دیتی ہے۔ باوجودیکہ قرآن کو بمعنی عام شعر کہنا درست نہیں اور قرآن نے خود جگہ جگہ اس کی نفی کی ہے :

وما علمناه الشعر وما ينبغي له ان هو الا ذکر وقرآن مبین (یس - ۶۹)

وما هو بقول شاعر قلیلا ماتؤننون (الحاقہ - ۴۱)

لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جہاں تک کہ وزن اور قافیہ اور صوتی ہم آہنگی کا تعلق ہے قرآن مجید میں ایسے ایک نہیں متعدد

مقدمات ملتے ہیں کہ ان میں متناسب الفاظ کے در و بست کے ذریعہ صوتی نغمگی کی بڑی اچھوتی مثالیں ہیں۔ ان مثالوں یا مقامات کے شمار یا جائزہ کا یہ محل نہیں۔ یہاں بالفعل صرف اس قدر دکھانا مقصود ہے کہ سولانا کے دیوان میں بعض اشعار کو پڑھتے ہوئے ذہن آپ سے آپ قرآن مجید کی بعض ایسے مقامات کی طرف بے ساختہ منتقل ہو جاتا ہے۔ دیوان کے آخر میں ”فی الرجوع الی العقل“ کے عنوان کے تحت صرف چار شعر ہیں۔ پہلے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

سر مع العقل اینما سارا	در مع الحق حیثما دارا
لا تہولنک لیلة عکرت	ان بعد الظلام انوارا
ان فی اللیل والنہار و فی	الشمس والنیرات تذکارا
راکعات سبحات ید۔	عوننا للسجود اسحارا

ترجمہ: عقل کے ساتھ ساتھ چلو، جہاں وہ جائے تم بھی جاؤ۔ حق کے ساتھ ساتھ رہو جدھر وہ جائے تم بھی جاؤ۔ تمہیں یہ رات جس کی تاریکی سخت ہے ہرگز دہشت زدہ نہ کرے۔ یقیناً اس تاریکی کے بعد روشنی ہی روشنی ہے۔ رات میں اور دن میں اور سورج میں اور روشن اجرام فلکی میں یاد دہانی ہے۔ یہ رکوع اور تسبیح میں مشغول، زبان حال سے ہمیں ہر صبح سجدۂ بندگی بجالانے کی دعوت دیتے ہیں۔

اس عنوان کے تحت اس زمین میں فقط یہ چار شعر سولانا نے یادگار چھوڑے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ چند شعر کہہ کر باقی آئندہ کے لئے اٹھا رکھا، مگر بعد میں یا تو زیادہ اہم کاموں نے دوبارہ ادھر توجہ کرنے کی

سہلت نہ دی، یا اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ مولانا کے یہ اشعار دیکھنے سے بہت پہلے کا ایک مصرعہ اسی بحر میں معلوم نہیں کس شاعر کا یاد ہے اور اکثر موقع مناسبت سے زبان پر آجاتا ہے۔

ع در مع اللہ کیف ما دارا

یہ مصرعہ یقیناً مولانا فراہی کے نظر میں ہوگا۔ اس میں جو فکری گمراہی ہے اس کی اصلاح انہوں نے کردی۔ زندگی کے مسائل اور دنیا کے معاملات میں یہ باقاعدہ ایک نقطہ نظر اور سکتب خیال ہے جو ”چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی،“ کا سبق پڑھا کر انسان کو ابن الوقت، مصلحت کوش اور موقع پرست بناتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا نقطہ نظر یہ ہے

حدیث بے خبرانست تو با زمانہ بساز

زمانہ با تو نسازد تو بازمانہ ستیز

اور یہی حق کا راستہ ہے جس کی نشاندہی مولانا نے کی ہے۔

مولانا فراہی کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعے سے اس کا مقابلہ کریں تو دو ایسے شاعروں کا فرق واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے جن میں سے ایک محض شاعروں میں سے ایک شاعر ہے۔ اور دوسرا شاعر بھی ہے اور حکیم بھی، حکیم بھی ہے اور مومن بھی۔ مومن بھی وہ مومن جس کے بارے میں اس دنیا کے سب سے بڑے حکیم نے اپنا حکم ناطق یوں دیا ہے کہ ”الحکمة ضالہ المومن حیثما وجد فهو احق بہاء،۔ حکمت مومن کا گم شدہ مال ہے جہاں بھی پائی جائے مومن سب سے زیادہ اس کا سزا وار ہے۔ گویا ایمان اور حکمت دو توأم ہیں۔ یہ تو محض ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہونے کا کرشمہ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ اس کتاب کے علم سے بھی

فیضاب ہو جو ایک حکیم علیم کے پاس سے (من لدن حکیم علیہ۔۔ نمل ۶) آئی ہو اور سزا پا حکمت ہو تو اس کی نظر کسی قدر حکیمانہ ہوگی۔ یہ اس کی حکیمانہ نظر ہی کا ثمر تو ہے کہ جہاں ایک عام شاعر ”درمع الدھر“ کہہ کر آگے بڑھ جاتا ہے وہاں اس کی نظر اسے وہ بات سجھاتی ہے جو محض ایمان کی بدولت ہی کسی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ مصرع میں فقط ایک لفظ کے رد و بدل سے بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ کجا وہ پستی کجا یہ بلندی۔ مولانا میں نظر کی یہ بلندی کہاں سے آئی۔ جو لوگ مولانا کے اصل مقام سے آگہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ کس کا فسون نظر ہے۔ اس میں کسے شک ہو سکتا ہے کہ یہ معنوی رفعت بھی اسی قرآن کا فیضان ہے جس کے اثرات کا پرتو اس وقت ہم مولانا کے کلام کے ظاہری محاسن یعنی صورت اور حرف و صوت کی مماثلت میں تلاش کرنے کے درپے ہیں۔

یہ گفتگو بطور جملہ معترضہ درمیان میں آگئی۔ اوپر ہم نے مولانا فراہی کے جو اشعار نقل کئے ان کو ایک بار پھر پڑھنے اور معاً سورہ نوح کی ان آیات کو تلاوت کیجئے اور پھر دیکھئے کہ ان کی صدائے بازگشت کس حد تک مولانا کے مذکورہ بالا اشعار میں سنائی دیتی ہے۔

قال رب، انی دعوت قومی لیلاً ونهاراً۔ فلم یزدھم دعائی الا فرار۔ . .
 ثم انی دعوتہم جہاراً۔ ثم انی اعلنت لہم، و اسررت لہم اسراراً۔ فقلت استغفروا
 ربکم، انہ کان غفاراً۔ یرسل السماء علیکم مدراراً۔ . . . و یجعل لکم انہاراً۔
 مالکم لا ترجون للہ وقاراً۔ وقد خلقکم اطواراً۔ . . . و قال نوح رب، لا تذر علی
 الارض من الکافرین دیاراً۔ . . . ولا یلدوا الا فاجراً کفاراً۔ . . . ولا تزد الظالمین
 الا تباراً (آیات ۵ تا ۲۸)

مولانا فراہی کی عربی شاعری میں قرآنی اثرات کا پرتو دیکھ کر اس ضعیف خاتون کا قصہ یاد آتا ہے جس کے بارے میں منقول ہے کہ اس نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا تھا کہ اس کی زبان سے قرآن کے الفاظ ہی ادا ہوں گے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے مرتے دم تک اس عہد کو نبھایا اور زندگی بھر اس کی خلاف ورزی نہیں کی۔ وہ ہر بات قرآن کے الفاظ اور جملوں ہی کی مدد سے کہتی۔ ایسا نہیں کہ اس نے دنیا اور اس کے معاملات سے کنارہ کشی ہو کر رہبانیت اختیار کر لی ہو۔ وہ ایک عام آدمی کی زندگی بسر کرتی۔ روز مرہ کے کام کاج کرتی اور زندگی کے تمام مشاغل میں ایک عام آدمی کی طرح حصہ لیتی۔ لیکن اپنا ہر کام قرآن مجید کے ذخیرہ الفاظ سے نکالتی اور اسے اس میں کبھی دشواری پیش نہیں آئی۔ (۱)

انسان کو جس چیز سے شغف ہوتا ہے اکثر اسی کا ذکر اس کی زبان سے ہوتا ہے۔ یہ بات زبان کی طرح قلم کی دنیا میں بھی نظر آتی ہے۔ شعر و ادب کی دنیا میں یہ بات بہت عام ہے کہ ایک آدمی جس شاعر یا ادیب کو پسند کرتا ہے غیر شعوری طور پر اس کے اسلوب سے متاثر ہوتا ہے اور یہ اثرات اس کی اپنی گفتگو اور تحریر دونوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ مولانا فراہی کی عربی

(۱) دور عباسی کے مشہور عالم دین عبداللہ ابن مبارک کا واقعہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں منقول ہے۔ سفر حج کے دوران ان کی ملاقات ایک معمر خاتون سے ہوئی۔ ان کے مابین جو مکالمہ ہوا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ سیارہ ڈائجسٹ لاہور نے اپنے قرآن نمبر جلد اول بابت نومبر ۱۹۹۹ء میں یہ مکالمہ پورا کا پورا نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۹۱۔ میں نے یہ واقعہ کہیں اور پڑھا تھا مگر حوالہ یاد نہیں رہا۔

شاعری میں ہمیں جاہلی شعرائے عرب کے کلام کا پرتو اتنا نظر نہیں آتا جتنا قرآن مجید کا نظر آتا ہے۔ معانی و مطالب سے لے کر الفاظ و تراکیب، محاورات و ضرب الامثال، تشبیہات و استعارات تک پر اس کی جھاپ نمایاں ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد نے آب حیات میں غالباً نوابان اودھ میں سے کسی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ نماز کے بعد نواب کی پیشانی پر سٹی کا نشان یا خس و خاشاک لگا رہ گیا۔ ایک خادم نے دیکھا تو توجہ دلانے کے لئے اس نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

سِمْاَہُمْ فِیْ وُجُوہِہُمْ مِّنْ اَثْرِ السُّجُوْدِ (فتح - ۲۹)

خادم پڑھا لکھا نہیں تھا۔ یہ تھا اس علمی ماحول کا اثر جس میں وہ پروان چڑھا تھا اور جس میں اس کے شب و روز بسر ہو رہے تھے۔ چونکہ اس دور کے ماحول میں قرآن و حدیث کا چرچا زیادہ تھا اس لئے آپ سے آپ بہت سی باتیں لوگ سیکھ جاتے تھے اور ان کا استعمال بھی کرتے تھے۔ یہ واقعہ زبان قلم پر اس لئے آگیا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولت، قرآن مجید، اس کی تعلیمات اور اس کی آیات و الفاظ کو کس طرح زبان زد کر دیتی ہے۔

مولانا فراہی جن کی زندگی ہی فکر و تدبیر قرآن میں بسر ہوئی اور جنہوں نے اپنے فطری ملکہ شاعری کو اس لئے دبا کے رکھا کہ حکمت قرآن کے بحر زخار میں غواصی نے اس کی مہلت نہ دی ان کی اتفاقی شاعری میں اگر قرآن مجید کے اثرات کا پرتو نمایاں ہے تو جائے تعجب نہیں۔

